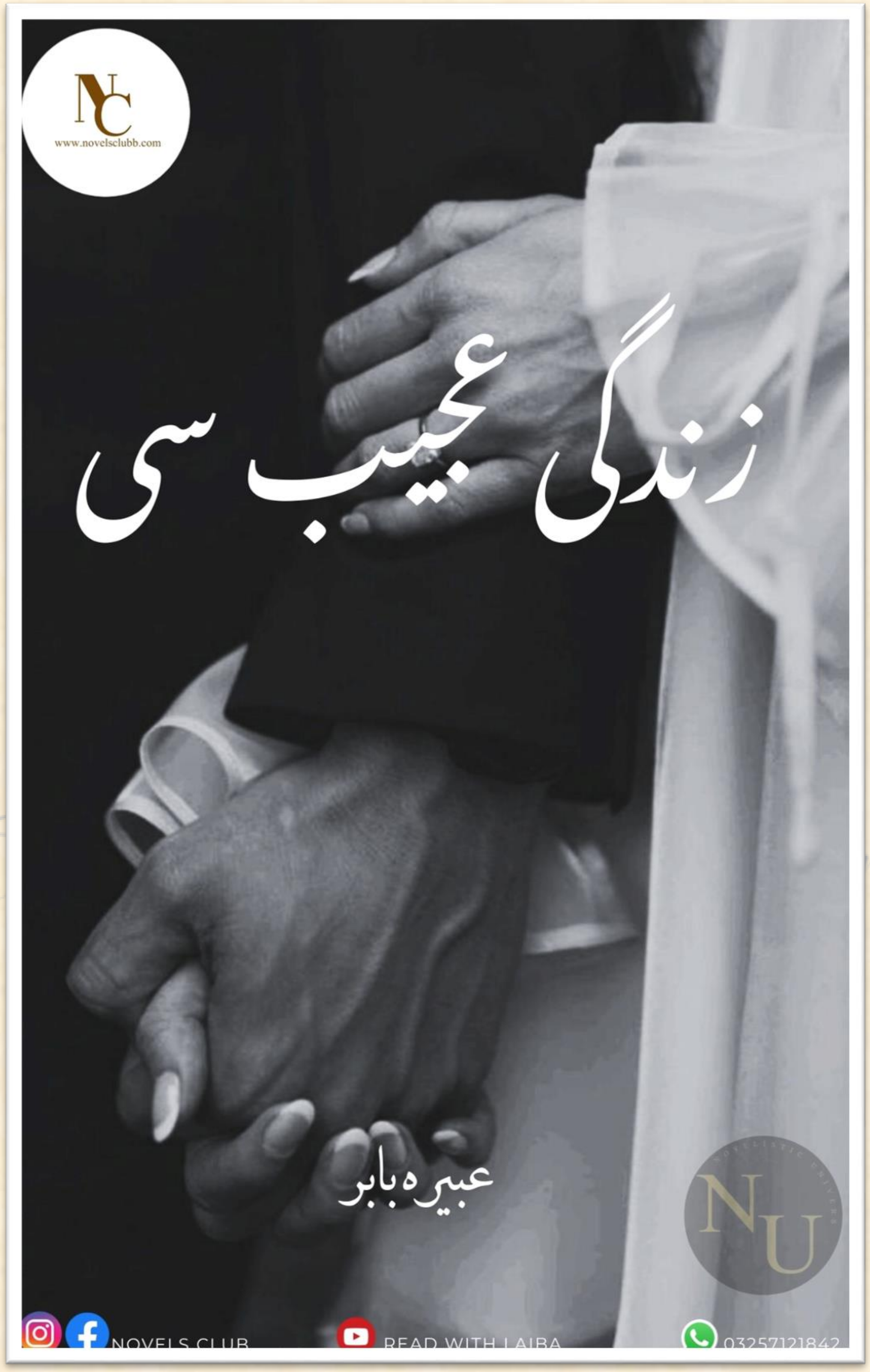
www.novelsclubb.com
زندگی عجیب سی
عبیرہ بابر
NOVELS CLUB
READ WITH LAIBA
03257121842

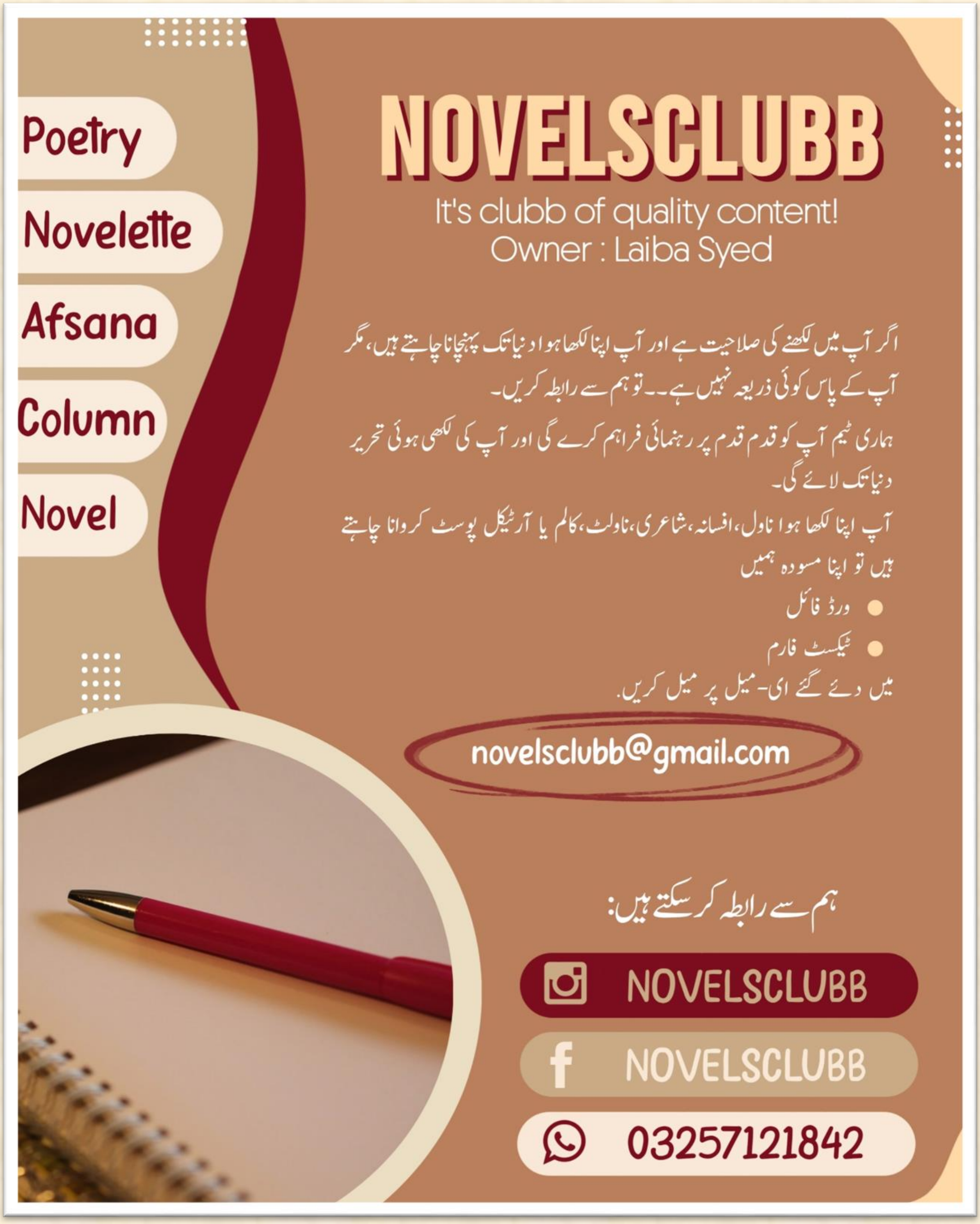
Poetry
Novelette
Afsana
Column
Novel
NOVELSCLUBB
It's clubb of quality content!
Owner : Laiba Syed
اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔
ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔
آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری،ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں
ورڈ فائل
ٹیکسٹ فارم
میں دیے گئے ای-میل پر میل کریں.
novelsclubb@gmail.com
ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں:
NOVELSCLUBB
NOVELSCLUBB
03257121842

زندگی عجیب سی ہے

از قلم

عبیرہ بابر

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ناول "زندگی عجیب سی ہے" کے تمام جملہ حق لکھاری "عبیرہ بابر" کے نام محفوظ ہیں۔ کہانی کا کوئی بھی حصہ کسی بھی صورت میں کسی دوسرے پلیٹ فارم یا سوشل میڈیا پر پوسٹ کرنے سے پہلے لکھاری کی اجازت درکار ہو گی۔ "ناولز کلب" کا پی ڈی ایف بغیر اجازت پوسٹ کرنا منع ہے، بغیر اجازت کہانی/پی ڈی ایف کا استعمال کرنے والوں پر سخت کاروائی کی جا سکتی ہے۔ اس کہانی اور اس میں موجود کردار محض تصوراتی ہیں۔ کسی بھی حقیقی کہانی یا انسان سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کسی بھی طرح کی مشابہت کو اتفاق سمجھا جائے۔

باب 7

تاریخ یخ بستہ دسمبر کی تھی اور وقت شام کے چھے بجے۔

نیویارک کی سرد ہواؤں نے براڈوے اسٹریٹ پر اپنی حکمرانی قائم کر رکھی تھی۔ ہر سانس کے ساتھ دھواں بنتی سانسیں، گہرے رنگ کے اوور کوٹ میں ملفوف لوگ، مصروف چہرے، اور بے شمار روشنیوں کے باوجود ایک عجیب سی ویرانی۔ انہی چلتے پھرتے انسانوں کے درمیان ایک شناسا سی شبیہ بھی تھی — گلے میں اون کا مفلر لپیٹے، بادامی رنگ کا کوٹ پہنے، نظریں ہر گزرنے والے چہرے پر دوڑاتی، ہر کیفے میں جھانکتی ہوئی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کسی کی تلاش میں ہے۔

مہر والنسا کے قدم تیز تھے، مگر اس کا دل اور بھی تیز دھڑک رہا تھا۔ ہر کیفے، ہر سڑک کے کونے پر ایک پل کے لیے رکتی، آنکھوں کو بے چین امید کے ساتھ گھماتی، اور پھر مایوسی کے ساتھ آگے بڑھ جاتی۔ اس کے ہاتھ سردی سے کپکپا رہے تھے، مگر اس کے اندر جو تپش تھی، وہ اس سردی پر غالب تھی۔

Clubb of Quality Content

آج بھی وہ یہاں نہیں ہے..."اس نے آہستہ سے سرگوشی کی،اور خود کو تسلی دینے کے لیے" مفلر کو اور سختی سے گردن کے گرد لپیٹ لیا۔یہ تین دن، تین لمبے دن،وہ اپنی ہر ممکن کوشش کر چکی تھی، مگر اب بھی وہ ایک جھلک دیکھنے کو ترس رہی تھی۔نیویارک آنے کا فیصلہ اس کے لیے صرف ایک تعلیمی قدم نہیں تھا—یہ اس کے خواب کی سرزمین تھی، اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ شون مینڈس کو حقیقت میں دیکھے،اس سے بات کرے،بس ایک لمحے کے لیے ہی سہی، مگر اپنی دیوانگی کو ایک مہر ثابت کر سکے۔

اس نے ایک لمحے کے لیے اپنی رفتار سست کی اور گرد و پیش کو غور سے دیکھا۔سامنے ایک کیفے کی کھڑکی سے روشنی چھن چھن کر سڑک پر گر رہی تھی۔اندر لوگ قہقہے لگا رہے تھے، کسی نے کافی کے کپ کو دونوں ہاتھوں میں تھاما ہوا تھا،کوئی اپنے فون میں گم تھا۔مہر والنسا نے ایک پل کے لیے گہرا سانس لیا۔

کیا وہ یہاں ہو سکتا ہے؟"یہ سوال اس کے دل میں پھر سے جاگا۔وہ آہستہ آہستہ کیفے کی" طرف بڑھی،دروازے پر ہاتھ رکھا، مگر پھر رک گئی۔اگر وہ یہاں نہ ہوا تو؟ پھر کیا ہوگا؟ کیا وہ یوں ہی در در بھٹکتی رہے گی؟

اس نے اپنی الجھن کو جھٹکا اور دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہو گئی۔ ایک خفیف سی امید اس کی آنکھوں میں چمک رہی تھی۔ مگر ایک بار پھر، وہ چہرہ کہیں نظر نہ آیا جسے وہ ڈھونڈ رہی تھی۔ مایوسی نے ایک بار پھر اس کے دل کو جکڑ لیا۔

ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں میں اس کے قدم آہستہ آہستہ شاہمیر کے اپارٹمنٹ کی جانب بڑھنے لگے۔ شاہمیر اور حماد ایک ساتھ رہائش پذیر تھے، مگر مہر والنسا نے گرلز ڈورم میں رہنے کو بہتر سمجھا تھا۔ شاید یہ فاصلہ اس کے لیے ضروری تھا۔ مگر اس وقت وہ کسی فاصلے کو خاطر میں نہیں لا رہی تھی۔ اس کا دل کسی اور چیز میں الجھا ہوا تھا۔

چلتے چلتے اس نے آسمان کی طرف دیکھا۔ نیویارک کی روشنیوں کے بیچ ستارے مدھم ہو گئے تھے، جیسے خواب حقیقت کی چکاچوند میں کھو جاتے ہیں۔ مگر مہر والنسا کا خواب ابھی مدھم نہیں ہوا تھا۔ وہ جانتی تھی، کل کا دن نیا موقع لے کر آئے گا۔ اور وہ پھر سے شون مینڈس کی تلاش میں نکلے گی۔

****

نیویارک کی مصروف سڑکوں پر کچھ دیر دربدر گھومنے کے بعد وہ بالآخر اُس اپارٹمنٹ بلڈنگ کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی یہاں آچکی تھی۔ یہاں آئے اُسے چار دن ہو چکے تھے اور ان چار دنوں میں وہ صرف احمد کی وجہ سے اُن تینوں سے ملنے آئی تھی۔ اندر کہیں کچھ کڑواہٹ گھل رہی تھی۔ وہ اپنے اور شاہمیر کے درمیان ایک فاصلہ قائم رکھنا چاہتی تھی، ورنہ تو شاہمیر کے ساتھ ایک ہی اپارٹمنٹ میں رہنے کی گنجائش تھی، جو اُس کے والد کے نام تھا۔ مگر وہ خود کو شاہمیر سے الگ رکھنا چاہتی تھی، بالکل ویسے ہی جیسے آٹھ مہینے پہلے، شاہمیر نے خود کو اُس سے دور کر لیا تھا۔

اُس نے جیبوں میں ہاتھ ڈالے، ہونٹوں تک لپٹے مفلر کو مزید سختی سے تھام لیا اور بوجھل قدموں کے ساتھ آگے بڑھی۔ ریسپشن پر ایک سرسری نگاہ ڈالی۔

"شاہمیر نواز، اپارٹمنٹ 101۔"

خود سے دھیمے لہجے میں دہرایا اور لفٹ کی طرف قدم بڑھا دیے۔

ڈورم سے یہاں تک آنے میں ایک گھنٹہ لگا تھا، وہ قدم بہ قدم چلتی آئی تھی اور اب اُس کی ٹانگیں جیسے تھکن سے چُور ہونے کو تھیں۔ لفٹ کا بٹن دبا کر انتظار میں کھڑی ہوئی تو دماغ

میں مختلف خیالات کے گہرے بادل امڈ آئے۔ نئ جگہیں، اجنبی راستے، سب کچھ بے حد غیر مانوس محسوس ہو رہا تھا۔ وہ کل ان جگہوں کو دریافت کرنے کا سوچ رہی تھی کہ اچانک لفٹ کی روشنی نے اُس کی سوچوں کا تسلسل توڑ دیا۔ دروازہ کھلا اور وہ تیزی سے اندر داخل ہو کر فرسٹ فلور کا بٹن دبا دیا۔

چند لمحوں بعد وہ شاہمیر کے اپارٹمنٹ کے دروازے پر کھڑی بیل بجا رہی تھی۔ اندر سے شور واضح تھا۔ شاہمیر شاید احمد پر کسی بات پر غصہ کر رہا تھا، جبکہ حماد اُس کو بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر بیل کی آواز نے اندر کے شور کو اچانک خاموشی میں بدل دیا۔ ایسا لگا جیسے خاموشی نے اپارٹمنٹ کی دیواروں میں گھل کر ہر آواز کو سمو لیا ہو۔

مہرُو آپی آگئی ہیں!" احمد کی تازہ، خوشگوار آواز سُن کر باہر کھڑی مہرُو کے لبوں پر مسکراہٹ آ" گئی۔ اندر کھڑے شاہمیر کی آنکھوں میں ناپسندیدگی کی ایک ہلکی سی لہر اُبھری اور گزر گئی۔ وہ یہاں مہرُو کے ساتھ وقت گزارنے آیا تھا، مگر پچھلے چار دنوں سے نہ اُس نے کوئی کال کی تھی اور نہ کوئی پیغام۔ اور شاہمیر بھی اُس آخری فون کال کے بعد خود کو پیچھے ہٹا چکا تھا۔

مہرُو اندر داخل ہوتی نظر آئی تو شاہمیر نے اُس پر ایک سرسری نظر ڈالی۔

السلام علیکم۔"مہرُو کی آواز نے سکوت کو چیر دیا۔ بھوری آنکھیں کالے نینوں سے ملیں، مگر" آج ان آنکھوں میں کچھ الگ تھا۔ مہرُو نے شاہمیر کی آنکھوں کو پڑھنے کی کوشش کی، مگر ناکام رہی۔

وعلیکم السلام۔"اس بار حماد کے خوش مزاج لہجے نے خاموشی توڑی، مگر شاہمیر بغیر کوئی" جواب دیے اپنے کمرے کی طرف بڑھا اور دروازہ اندر سے لاک کر لیا۔

مہرُو کو یہ رویہ برا لگا تھا، مگر اُس نے ایسے ظاہر کیا جیسے اُسے کوئی فرق نہیں پڑا۔ حماد بھی شاہمیر کے اس انداز پر ٹھٹھکا، پھر بولا،

"تم بیٹھو مہرُو، میں دیکھتا ہوں اِس کو کیا ہوا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ شاہمیر کے پیچھے لپکا۔

اب مہرُو اور احمد کمرے میں تنہا رہ گئے تھے۔ مہرُو نے حماد کو کمرے میں جاتے دیکھا، تو دل میں ایک انجانی سی کسک محسوس ہوئی۔ جیسے پل بھر کے لیے ہی سہی، وہ فاصلہ مٹ گیا ہو۔

Clubb of Quality Content

مگر وہ خوش فہمی تھی، حقیقت نہیں۔ اُس نے دروازے سے نظر ہٹا کر احمد کو دیکھا، جو اُس کا ہاتھ چھوڑ کر کچن کی طرف بڑھ گیا تھا۔

مہرُو نے اوور کوٹ اور مفلر اتار کر صوفے پر رکھ دیا۔ گلابی رنگ کی شارٹ کرتی پر سفید سویٹر پہنے وہ خود بھی صوفے پر بیٹھ گئی۔ سنسان زرد روشنی میں نہایا ہوا لیونگ روم کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔ جیسے قید ہو، جیسے کسی بے نام جذبات کی خاموش گواہی دے رہا ہو۔

کچھ دیر بعد احمد پانی کا گلاس ہاتھ میں لیے اُس کے سامنے آیا۔ مہرُو نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ گلاس تھام لیا اور خاموشی سے گھونٹ بھرنے لگی۔ احمد اُس کے پاس بیٹھ کر کسی بات میں مصروف ہو گیا، مگر اُس کی نظریں بار بار شاہمیر کے کمرے کے دروازے کی طرف اُٹھ رہی تھیں۔

Clubb of Quality Content

****

سائے لپٹ رہے تھے دیواروں سے،

خاموشی کی زنجیر میں بندھا ہر لمحہ،

کوئی کسک سی جاگ رہی تھی،

کوئی صدا تھی، جو بجھ رہی تھی۔

دل میں اک بے نام سی خلش تھی،

آنکھوں میں کچھ بکھری یادیں،

لبوں پہ اک آدھی سی فریاد،

اور ہاتھوں میں خالی راتیں۔

یہ جو درمیاں خاموشی بسی ہے،

یہی تو سب سے بڑی صدا ہے،

کہنے کو کچھ بھی نہیں رہا ہے،

مگر دل پھر بھی بے قرار سا ہے۔

تم جو سامنے تھے تو راستے تھے،

اب دوریوں میں فقط خلا ہے،

نہ ہم قریب، نہ تم پرائے،

یہ جو ہے رشتہ، عجب سزا ہے۔

****

کمرے میں مدھم روشنی پھیلی تھی۔ دیوار پر ٹنگی گھڑی کی سوئیاں آہستہ آہستہ حرکت کر رہی تھیں، جیسے وقت تھم سا گیا ہو۔ باہر موسم بگڑ رہا تھا۔ مغربی افق پر سیاہ بادلوں نے بسیرا کر لیا تھا، اور فضا میں نمی کا احساس بکھرنے لگا تھا۔ رات کے پہلے پہر کی نمی میں مٹی کی خوشبو رچ بس رہی تھی، وہ مخصوص مہک جو بارش کے پہلے قطرے کے زمین سے ملنے پر اٹھتی ہے۔

ٹھک ٹھک۔

دروازے پر ہونے والی دستک نے سکون توڑا۔

شاہمیر کا دل جیسے ایک لمحے کو رک سا گیا۔ وہ بے اختیار چونکا۔ نظریں دروازے پر جم گئیں، دل کے کسی کونے میں ایک انجانی امید جاگی... شاید وہ ہو؟

لیکن فوراً ہی یہ امید بجھ گئی۔ نہیں... وہ نہیں ہو سکتی۔

اندر کسی پرانی یاد کی کرچیاں بکھری تھیں، اور باہر کھڑکی کے شیشے پر بارش کی پہلی بوند آ کر ٹھہر گئی تھی، جیسے اسے بھی رک کر فیصلہ کرنا ہو کہ آگے بڑھنا ہے یا نہیں۔

"شاہمیر، دروازہ کھولو۔"

آواز حماد کی تھی۔

نرم، لیکن فکرمند۔ اس کے لہجے میں وہی ٹھہراؤ تھا جو ہمیشہ شاہمیر کو سنبھالنے کے لیے کافی ہوتا، مگر آج وہ خود کو سنبھالنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

شاہمیر نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں بند کر کے سانس کھینچا۔ اندر کچھ بکھر رہا تھا، جیسے کسی بھاری پتھر سے آئینہ چکنا چور ہو جائے، جیسے کسی ویران حویلی میں برسوں پرانا دروازہ چرچرا کر کھل جائے۔

اس نے ساکت قدموں سے اٹھ کر دروازہ کھولا، پھر پلٹ کر واپس اپنی جگہ بیٹھ گیا۔

حماد اندر آیا، اور بے آواز قدموں کے ساتھ دروازہ بند کر دیا۔

وہ کچھ دیر شاہمیر کو دیکھتا رہا۔

خاموشی کمرے میں پھیل گئی۔

دیوار کی طرف پشت کیے شاہمیر نے ایک ٹانگ بستر پر رکھی تھی، دوسری زمین پر۔

وہ نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھ رہا تھا، جیسے کچھ کہنے اور چھپانے کے بیچ کسی جنگ میں پھنسا ہو۔

"کیا ہوا؟"

حماد کی آواز میں نرمی تھی، مگر شاہمیر جیسے اس کے سوال کو نظرانداز کر گیا۔

"کچھ نہیں۔"

حماد نے گہری سانس لی۔

یہ وہی شاہمیر تھا، جو آٹھ ماہ پہلے بھی اسی حال میں تھا۔

فرق صرف اتنا تھا کہ اس وقت وہ اپنے دکھ کی وضاحت دینے کے قابل نہیں تھا، اور آج وہ سب جانتے ہوئے بھی کچھ نہیں کہنا چاہتا تھا۔

حماد آگے بڑھا، اور اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"محرو آئی ہے۔"

الفاظ تھے، یا کسی گہرے زخم پر نمک کا چھینٹا؟

شاہمیر کا دل جیسے مزید ٹوٹ گیا۔

باہر بارش کی رفتار بڑھنے لگی تھی۔ کھڑکی کے شیشے پر پانی کے قطرے تیزی سے گر رہے تھے، کچھ نیچے بہہ جاتے، کچھ وہیں ٹھہر جاتے... جیسے آنسو، جو کچھ لوگ بہادیتے ہیں، اور کچھ آنکھوں میں روک لیتے ہیں۔

"حماد، چار دن بعد ہم مل رہے ہیں، اور اس نے ایک میسج تک نہیں کیا، نہ کوئی کال۔"

اس کی آواز میں بوجھل پن تھا، جیسے وہ کسی گہرے کنویں میں گرا ہو، جہاں روشنی کی ہلکی سی رمق بھی باقی نہ ہو۔

حماد نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

شاہمیر کے ہاتھ برف کی طرح سرد تھے۔

"شاہمیر، بچہ___"

"بات چار دن کی نہیں ہے، حماد۔"

شاہمیر نے جیسے اپنے دل میں دبے جذبات کو الفاظ میں ڈھالنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

ہمارا آخری رابطہ کب ہوا تھا، جانتے ہو؟ دو ہفتے پہلے۔ جس دن میں نے تمہیں کال کی"

"تھی...اس دن۔

بارش کی آواز مزید تیز ہو گئی تھی۔ کھڑکی کے اس پار اندھیرا گھنا ہو رہا تھا، جیسے کوئی ان دیکھے خوف کی چادر پورے شہر پر تن دی گئی ہو۔

""اس نے بات تک نہیں کرنے دی، بس کہا 'نہیں، میں مصروف ہوں۔ اللہ حافظ۔"

یہ کہتے ہوئے شاہمیر کے لب ہلکے سے کپکپائے، جیسے وہ اپنے جذبات کا بوجھ سنبھالنے کے آخری مرحلے پر ہو۔

حماد نے گہری سانس لی۔

"شاہمیر... تمہیں یاد ہے پانچ سال پہلے کیا ہوا تھا؟"

شاہمیر نے نظریں حماد کے چہرے سے ہٹا کر دیوار پر جمادیں، جیسے کچھ سوچنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"جب ہم نے سنا تھا کہ کامران، ماہی، اور محرو کی گاڑی ایک دیوار میں گھسنے سے بال بال بچی تھی؟"

شاہمیر نے اپنی سانس روکی۔

ہاں... یاد تو تھا۔

اس حادثے کے بعد محرو بدل گئی تھی۔ وہ ہنستی کم تھی، باتیں کم کرتی تھی، ہمیشہ گم سم، جیسے کوئی ادھوری تحریر ہو جسے مکمل ہونے کا انتظار ہو۔

"تمہیں کبھی نہیں لگا کہ وہ حادثہ اس کے لیے صرف ایک واقعہ نہیں تھا؟ تم نے کبھی نہیں سوچا کہ شاید اس کے بعد کچھ بدلا تھا؟"

حماد کی باتیں کسی دھند کے پردے کو ہٹانے کے مترادف تھیں۔

شاہمیر نے گہری سانس لی، اور پلکیں بند کر لیں۔

"ہم نہیں جانتے کہ کسی کی زندگی میں کیا چل رہا ہوتا ہے۔"

بارش اور تیز ہو گئی تھی۔

"زندگی کا وہی آئینہ دیکھتے ہیں، جو ہمیں دکھایا جاتا ہے، مگر حقیقت کبھی کبھی پردے کے پیچھے ہوتی ہے۔ تم نے اس سے پوچھا کبھی کہ وہ چار دن نہیں، پانچ سال سے کیوں بدلی ہوئی ہے؟"

خاموشی۔

کھڑکی پر بارش کے قطرے اور تیزی سے گرنے لگے تھے۔

"اور تم نے اس کا سلام تک قبول نہیں کیا، شاہمیر۔ کیا یہ صحیح تھا؟"

شاہمیر نے نفی میں سر ہلایا۔

"جاؤ، منہ دھو کر باہر آؤ۔ اور اس سے معذرت کرو۔"

حماد نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا، پھر اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا۔

دروازہ کھلا، اور وہ باہر نکل گیا۔

شاہمیر وہیں بیٹھا رہا۔

باہر طوفان شدت اختیار کر چکا تھا۔

وہ چند لمحے ویسے ہی بیٹھا رہا، پھر آہستہ سے اٹھا۔ آئینے میں جھانکا۔

وہ خود کو پہچان نہیں پایا۔

پانی کے چند چھینٹے منہ پر مارے، اور بوجھل قدموں سے دروازے کی طرف بڑھا۔

باہر نکلنے سے پہلے ایک لمحہ رکا۔

شاید بارش کو دیکھنے، یا شاید دل کی کسی دھڑکن کو سننے کے لیے۔

پھر سانس کھینچی——اور باہر نکل گیا۔

****

زرد مائل روشنی میں ڈوبا کمرہ جیسے کسی خواب کی تصویر ہو

خاموشی نے یہاں بسیرا کر رکھا تھا۔ صرف کبھی کبھار ہوا کے نرم جھونکے کھڑکی کے شیشوں سے ٹکرا کر ہلکی سرسراہٹ پیدا کرتے۔

باہر گیلی مٹی کی مدھم خوشبو ہر سانس میں تحلیل ہو رہی تھی،اور سرد ہوا اندر آکر کمرے میں پھیلتی جا رہی تھی۔ جیسے ہر چیز ایک لمحے کے لیے تھم گئی ہو، جیسے وقت سانس روک کر کسی فیصلے کا انتظار کر رہا ہو۔

زمین پر بچھے قالین پر احمد اور مہرونیسا ساتھ بیٹھے تھے۔ صوفے کے قریب، خاموشی کے درمیان کوئی ان دیکھے لمحے پل رہے تھے۔ مہرونیسا کی نظروں کے سامنے کمرے کے کونے میں ایک دروازہ تھا—بند، مگر مکمل بند نہیں۔ پندرہ منٹ پہلے ہی وہ اندر گیا تھا۔ نہ سلام کا جواب دیا، نہ کوئی سوال پوچھا۔ بس ایک نظر ڈالی تھی—ایسی نظر جس میں غصے کی تپش تھی، بیزاری کی لہر تھی۔ دل میں کہیں کوئی چیز ہلکی سی ٹوٹی تھی، جیسے کوئی پرانا زخم پھر سے ہرا ہو گیا ہو، جیسے کوئی دوستی کا ہاتھ پھر سے چھوٹ گیا ہو۔

"!آپی، یہ دیکھیں"

احمد کی ننھی آواز نے مہرو نیسا کی سوچوں کی زنجیر توڑ دی۔ وہ پلٹی، احمد کے چھوٹے ہاتھوں میں ایک کاغذ تھا، جس پر رنگوں سے کچھ تصویریں بنی تھیں۔ تین لوگ، ایک گھر میں، ایک ساتھ۔ بے اختیار مہرو نیسا کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ بکھری۔ اس نے کاغذ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا، آنکھوں سے قریب کر کے دیکھا۔

"یہ کون ہیں، احمد؟"

مہرو نیسا نے کاغذ سے نظریں ہٹا کر احمد کی طرف دیکھا۔

یہ میں!" احمد نے اپنی چھوٹی سی انگلی سے سب سے چھوٹے وجود کی طرف اشارہ کیا۔"

یہ بھائی!" اس نے دوسرے، قدرے لمبے نقش پر انگلی رکھ دی۔"

اور یہ؟" مہرو نیسا نے اس لمبے بالوں والی لڑکی پر انگلی رکھی۔"

"!یہ آپ"

مہرو نیسا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"میں؟"

آواز مدھم تھی، جیسے کوئی یقین دلانے کی کوشش کر رہا ہو۔

"بھائی کہتے ہیں، آپ ایک دن ہمارے ساتھ رہیں گی۔"

!مہرو نیسا کے دل میں ایک دھڑکن جیسے رک سی گئی۔ شاہ میر... شاہ میر کے خواب وہ خواب جو کہیں پیچھے رہ گئے تھے، جو حقیقت کا رنگ نہ چڑھ سکے تھے۔ اور اب احمد... جو امید باندھ رہا تھا، وہ امید جیسے نازک سی لکیر پر ٹِکی تھی۔ یا تو یہ ڈور مضبوط ہو گی، یا وقت کے ساتھ ٹوٹ جائے گی۔ فیصلہ وقت کا تھا، مگر اس لمحے... اس لمحے میں وہ جیسے کہیں کھو گئی تھی۔

"آپ رہیں گی نا ہمارے پاس؟"

احمد کی معصوم آواز گونجی، جیسے کسی سنسان راہ میں کوئی پکار اُبھرے۔

آج دن چھوٹا تھا، آٹھ مہینے بیت چکے تھے، اور مہرو نیسا کی تلاش کہیں بہت دور جا چکی تھی۔

محبت ماضی کے منظر میں دفن ہو چکی تھی، اور کسی کا انس دل پر اپنا رنگ جما چکا تھا۔

وہ ماضی میں پلٹ گئی۔

خلا تھا، خالی گھر تھا، وہ اکیلی کھڑی تھی۔ وہاں کوئی نہیں تھا جو چہرہ پڑھ سکتا، کوئی نہیں تھا جو اس کے گُھٹے ہوئے لفظ سن سکتا۔ بس خاموشی تھی، اور تنہائی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اور پھر، جب دل جھکنے لگا تھا... پہلے وہ محض ایک فین گرل تھی۔ دیواروں پر پوسٹرز کا ڈھیر،

...آوازوں کا سحر، اور پھر انس

وہ دل پر حاوی ہونے لگا تھا۔

پھر وہ دن آیا تھا——

وہ دن جس دن وہ واقعی خوش ہوتی تھی، جب ہر سال خوشیوں کے رنگ اس کے دامن میں

سمٹتے تھے۔ مگر اب؟

اب وہ خوشی کہیں اور جا بسی تھی۔

دروازے کا لاک کھلا۔

ہوا میں ایک آہٹ تھی۔ کوئی قدم قریب آئے تھے، کوئی سانس ہوا میں تحلیل ہوئی تھی۔

"!وعلیکم السلام"

گہری، بھاری آواز نے مہرونیسا کے خیالات کی دنیا ہلا دی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

مہرونیسا نے سر اٹھایا۔

وہ وہیں تھا، صوفے پر بیٹھا، بکھرے بال، سنجیدہ تاثرات، اور آنکھوں میں ایک الگ سی تھکن۔

کالی آنکھیں بھوری آنکھوں سے ملیں۔

دو الگ جہان ایک پل کے لیے ٹکرائے۔

—ایک طرف محبت کا بسیرا تھا

دوسری طرف محبت بھی نہیں تھی، پیار بھی نہیں تھا،

محض خالی جذبات تھے،

خالی آنکھیں،

اور خالی دل۔

ہاں، وہ مہرونیسا تھی۔

مگر وہ اس کی مہرونیسا نہیں تھی۔

ناول کلب
Clubb of Quality Content!

"شاہمیر !"

حماد کی آواز گونجی، اس کے لہجے میں بے چینی تھی۔

"احمد نے کچھ بھی نہیں کھایا ابھی تک !"

کالی آنکھیں بھوری آنکھوں سے ہٹ گئیں۔ ایک پل کے لیے جو محویت تھی، وہ ٹوٹ گئی۔

شاہمیر نے حماد کی طرف نظر ڈالی، پھر احمد کی طرف، جو سر جھکائے کھڑا تھا۔

"میں نہیں کھا رہا !"

احمد کی ننھی مگر ضدی آواز کمرے میں گونجی۔

مہرو نیسا زمین سے اٹھ کر صوفے پر آ بیٹھی —— وہی ون سیٹر جو شاہمیر کے قریب رکھا تھا۔

سامنے احمد کھڑا تھا، اس کے برابر شاہمیر تھا، جو دھیمے لہجے میں کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کھانا کھا لو، احمد !"

شاہمیر کی آواز میں سختی بھی تھی اور فکر مندی بھی۔

"!میں ناراض ہوں آپ سے"

احمد نے خود کو شاہمیر کی گرفت سے آزاد کراتے ہوئے کہا اور سیدھا مہرو نیسا کے پاس جا کھڑا ہوا۔

وہ... وہ جو شاہمیر کی کمزوری تھی، اس کے سامنے وہ سب کچھ لٹانے کو تیار تھا۔

...اور احمد کے لیے

مہرو نیسا وہ واحد شخص تھی جو اسے شاہمیر سے بچا سکتی تھی۔

مہرو نیسا نے خود کو سنبھالا، احمد کی طرف جھک کر پوچھا،

"!مہرو آپی، میں بھائی سے ناراض ہوں اور وہ مجھے اب بھی ڈانٹ رہے ہیں"

ننھی سی آواز، جو تھوڑی لرز رہی تھی۔

شاہمیر کو بے اختیار رشک آیا۔

یہ چھوٹا سا، محض چھ سال کا بچہ اپنی آنکھوں میں آنسو ایسے لے آتا تھا جیسے کسی ظالم بادشاہ کے سائے میں جی رہا ہو۔

Clubb of Quality Content

"کیوں؟"

مہرونیسا نے نرمی سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

"!بھائی نے مجھے ڈانٹا تھا...اور مارا بھی تھا"

مہرونیسا نے بے یقینی سے شاہمیر کی طرف دیکھا۔

شاہمیر نے بھی حیرت سے احمد کو گھورا، جیسے یقین ہی نہ آرہا ہو۔

"احمد، میں نے کب مارا تمہیں؟"

شاہمیر کی آواز میں ناگواری جھلک رہی تھی۔

ڈانٹنا ایک بات تھی، لیکن ہاتھ اٹھانا...وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا۔

"کیا ہوا ہے، شاہمیر؟"

اس بار مہرونیسا نے سنجیدگی سے شاہمیر کی طرف رخ کیا۔

"!اپنے لاڈلے سے پوچھو"

شاہمیر تلخی سے کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

اس نے احمد کو جھوٹ بولنا نہیں سکھایا تھا۔

آج اس نے وہی کیا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ جھوٹ ہمیشہ دوریاں پیدا کرتا ہے،

دشمنی کو جنم دیتا ہے،

اور رشتوں میں دراڑیں ڈال دیتا ہے۔

اب اسے احمد سے بات کرنی تھی۔

مہرو نیسا نے شاہمیر کو جاتے دیکھا۔

وہ بالکونی میں جا کر کھڑا ہو گیا، جہاں بارش کی بوندیں بے دردی سے گر رہی تھیں۔

آج شاید آسمان پر کچھ ٹوٹا تھا... جو یوں رو رہا تھا۔

ٹھنڈی ہوا اب بھی اپنی جگہ قائم تھی۔

مہرو نیسا نے سر اٹھا کر حماد کو دیکھا۔

شاہمیر کو جھوٹ پسند نہیں تھا،

یہ عادت نواب صاحب میں بھی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

باپ بیٹے کو جھوٹ سے نفرت تھی، دھوکہ ناگوار تھا۔

انہوں نے ہمیشہ اپنی کمپنی کو کرپشن سے پاک رکھا تھا، اسے ایمانداری سے بلند کیا تھا۔

"احمد نے کافی دیر سے کچھ نہیں کھایا، کل رات بھی نہیں کھایا تھا۔"

حماد نے سنجیدگی سے بتایا۔

مہرو نیسا کو اب آہستہ آہستہ شاہمیر کے رویے کی شدت سمجھ آ رہی تھی۔

اس کا ہیموگلوبن ڈراپ کر جاتا ہے۔اور شاہمیر نہیں چاہتا کہ یہ بیمار ہو، خاص طور پر اب، "

"جب وہ یہاں آئے ہیں۔

حماد نے نرمی سے وضاحت دی۔

یہاں کا موسم بہت سرد ہے، اور شاہمیر کا کہنا ہے کہ اسے ٹھنڈ میں اکثر بخار ہو جاتا ہے۔اور "

"اگر ہیموگلوبن مزید کم ہو جائے تو یہ دیر تک ہوش میں نہیں آتا۔

مہرو نیسا کے دل کو کچھ ہوا۔

شاہمیر کی سختی کے پیچھے چھپی بے قراری اب واضح ہو رہی تھی۔

"احمد! اِدھر آؤ!"

اس بار اس کی آواز میں سختی تھی۔

احمد، جو خود کو بچانے کی کوشش کر رہا تھا، مہرونیسا کے قریب آیا۔

"کیوں نہیں کھا رہے ہو؟"

اس کی آواز میں نہ جانے کیا تھا کہ احمد کے آنکھوں میں سمٹے آنسو وہیں رک گئے۔

"!بھائی خود نہیں کھلاتے، آپی"

ننھے لب لرزے، جیسے وہ خود کو رونے سے روک رہا ہو۔

"!بھائی کہتے ہیں، خود کھاؤ... بڑے ہو رہے ہو"

بالکونی کے دروازے کے پاس کھڑے شاہمیر نے سب سنا تھا۔

اس کے دل میں جیسے گھٹن سی پھیل گئی۔

...ذہن میں کسی کی تصویر ابھری

گیارہ سال پہلے

ہسپتال کی سفید دیواریں ایک قبرستان جیسی خاموشی سے بھری ہوئی تھیں، مگر اس خاموشی

میں مشینوں کی بیپ، نرسوں کے قدموں کی چاپ، اور دوڑتے ڈاکٹروں کی سرگوشیاں شامل

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

تھیں۔ ہر طرف ایک عجیب سی بو تھی — ادویات، جراثیم کش اسپرے، اور بیماری کی ملی جلی خوشبو جو ہسپتال کے ماحول کا ایک لازمی حصہ تھی۔

شاہمیر نو سال کا تھا، مگر اس لمحے وہ خود کو دنیا کا سب سے کمزور انسان محسوس کر رہا تھا۔ اس کے ننھے ہاتھ ٹھنڈے بینچ کی گرفت میں سختی سے جکڑے ہوئے تھے، انگلیاں پیلی پڑ گئی تھیں، مگر اسے احساس نہیں تھا۔ اس کی نظریں دروازے پر جمی تھیں، جہاں اندر ایک چھوٹے سے بستر پر حلیمہ پڑی تھی — اس کی پانچ سالہ بہن، اس کی جانی، اس کی دوست، اس کا سب سے قیمتی خزانہ۔

ہسپتال کے کوریڈور میں وقت جیسے رک سا گیا تھا۔

"ماما، حلیمہ کب ٹھیک ہو گی؟"

اس کی آواز میں امید کی ایک آخری کرن جھلک رہی تھی، جیسے وہ کسی معجزے کا انتظار کر رہا ہو۔ اس کی ماں نے کوئی جواب نہیں دیا، بس اسے اپنی گود میں کھینچ لیا۔ ان کا گلا رندھ چکا تھا، الفاظ ساتھ چھوڑ چکے تھے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اندر، حلیمہ کے کمزور جسم پر بے شمار تاریں جڑی تھیں، ننھے ہاتھوں میں سوئیاں چبھوئی گئی تھیں، سانس لینے میں دقت ہو رہی تھی۔اس کے ہونٹ نیلے پڑ چکے تھے،اور آنکھیں آدھی کھلی تھیں، جیسے وہ جاگ بھی رہی ہو اور نہ بھی۔

پھر اچانک—

مشین پر دھڑکتے دل کی لہریں ایک دم سیدھی ہو گئیں۔

ایک بیپ...

پھر دوسرا...

پھر مکمل خاموشی۔

شاہمیر کی سانس اٹک گئی۔

اچانک ڈاکٹرز تیزی سے اندر داخل ہوئے۔

"!شاک دو! جلدی کرو"

نرسیں آگے بڑھیں،ایک نے آکسیجن ماسک مضبوطی سے تھاما،دوسری نے دل پر دباؤ دینا شروع کیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"!وان، ٹو، تھری... پلیز ریسپانڈ"

شاہمیر کی آنکھوں میں خوف تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا، دروازے کی طرف بڑھا، مگر کسی نے اسے پیچھے کر دیا۔

"ماما... یہ لوگ حلیمہ کو کیا کر رہے ہیں؟"

کوئی جواب نہیں آیا۔

"!ایک اور شاک دو"

"اب بھی کوئی رسپانس نہیں ہے، ڈاکٹر۔"

"!پھر سے"

شاہمیر کی انگلیاں مٹھی کی صورت میں بند ہو گئیں، اس کے ناخن ہتھیلی میں دھنسنے لگے، مگر درد کا احساس نہیں تھا۔

"!حلیمہ، اٹھو نا"

اس کا دل چیخ اٹھا تھا۔

ڈاکٹر، پلیز ایک اور بار...وہ نہیں جاسکتی!"نرس نے ہچکچاتے ہوئے ڈاکٹر کی طرف دیکھا، مگر"
اس نے آہستہ سے سر ہلادیا۔

"PM. اسٹاپ...ٹائم آف ڈیتھ، 6:42"

ایسا لگا جیسے وقت کا پہیہ یکدم رک گیا ہو، جیسے ہوا میں سانس لینا بھی دشوار ہو گیا ہو۔

ڈاکٹر ایک قدم پیچھے ہٹے، ایک نے گہری سانس لی اور دوسرے نے آہستہ سے حلیمہ کے معصوم وجود کو سفید چادر میں لپیٹ دیا۔

نہیں... نہیں!"شاہمیر نے آگے بڑھنے کی کوشش کی، مگر اس کے والد نے اسے مضبوطی "
سے تھام لیا۔

"ماما، حلیمہ کیوں نہیں اٹھ رہی؟"

اس کی آواز ہلکی ہو گئی تھی، جیسے اندر ہی اندر ٹوٹ رہی ہو۔

مگر کوئی جواب دینے والا نہیں تھا۔

وہ،

جو ہمیشہ اس کے ہاتھ سے کھانا کھاتی تھی،

جو اس کے بغیر سوتی نہیں تھی،

جو اس کے ہر کھیل کی ساتھی تھی،

وہ چلی گئی تھی

مات زندگی کھا گئی تھی، کینسر جیت چکا تھا۔

اس نے پہلی بار صبر کرنا سیکھا تھا۔

نواب اور رعیصہ کے لیے یہ اولاد کا غم تھا،

مگر شاہمیر نے کبھی اپنے والدین کو ٹوٹ کر روتے نہیں دیکھا تھا۔

اس کی ماں اکثر کہتی تھیں،

"إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِينَ"

(بے شک، اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔)

آج اس آیت کا مفہوم پہلی بار دل پر نقش ہو رہا تھا۔

"شاہمیر، تم کچھ بھی کھو دو ــــــ

چاہے کوئی شخص ہو،

——چاہے کوئی چیز

کبھی اللہ سے شکوہ مت کرنا۔

اللہ کچھ لیتا ہے،

تو نوازتا بھی ہے۔

...تمہیں صرف ایک چیز کرنی ہے

"صبر

یہ الفاظ اس کے دل پر کندہ ہو گئے تھے۔

زندگی کے ہر امتحان میں،

ہر جدائی میں،

...یہی الفاظ گونجتے تھے

صبر۔

ہاں، اللہ نے اسے نوازا تھا۔

حلیمہ کے جانے کے چھ سال بعد، اللہ نے شاہمیر کو احمد دیا تھا۔

اور اپنے والدین کو کھونے سے ٹھیک چھ سال پہلے، اللہ نے انہیں احمد دے کر نوازا تھا۔

بے شک، اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

احمد... وہ جو حلیمہ کی تصویر تھا۔

وہی معصومیت، وہی انداز، وہی چھوٹی چھوٹی ضدیں۔

بس فرق صرف اتنا تھا کہ اس کی آواز ابا جیسی تھی، اور آنکھیں اماں جیسی۔

یہ احساس ایک لمحے میں اس کے دل میں بجلی کی طرح کوندا تھا، اور اچانک ہی آنکھیں نمی سے لبریز ہو گئیں۔

آج پہلی بار، مہینوں بعد، وہ اپنے رب کے سامنے بلک بلک کر رونا چاہتا تھا۔۔

وہ جو آئینہ اتنے سالوں سے نہیں دیکھ سکا تھا،

آج اس نے خود کو پہلی بار پہچانا تھا۔

وہ اکثر خود سے سوال کرتا تھا:

"حلیمہ کو کھونے کے بعد کیا ملا؟"

"ماں باپ کو کھونے کے بعد کیا ملا؟"

اور آج، جواب بالکل سامنے تھا۔

جو ملا تھا، وہ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔

ایک صبر کا پھل دیر سے ملا تھا...

اور ایک صبر کا پھل پہلے ہی دے دیا گیا تھا۔

شاہمیر کی آنکھیں نم ہونے لگیں، مگر اس سے پہلے کہ کوئی آنسو گرتا،

اسے اپنے گرد کسی کا لمس محسوس ہوا۔

کوئی قریب آیا تھا،

کوئی اس سے لپٹ گیا تھا۔

اس نے پلکیں جھکا لیں۔

احمد...

Clubb of Quality Content

وہ اس سے لپٹا ہوا تھا،

اور دھیمی، لرزتی آواز میں کچھ کہہ رہا تھا:

"بھائی... سوری!"

آواز گیلی تھی، مگر وہ غصہ جو کئی لمحوں سے بیچ میں کھڑا تھا،

وہ ختم ہو چکا تھا۔

شاہمیر نے سر اٹھایا،

اپنی آنکھوں میں آتی نمی کو ہتھیلی سے رگڑ کر صاف کیا،

اور احمد کو خود سے تھوڑا سا الگ کیا۔

وہ جھکا، اور نرمی سے اس کا ماتھا چوم لیا۔

"اٹس اوکے، بچہ۔"

احمد کے لیے بس اتنا کافی تھا۔

Clubb of Quality Content

وہ فوراً دوبارہ اس سے لپٹ گیا،

جیسے برسوں کی ادھوری محبت آج پوری کر رہا ہو۔

وہ اسے بھائی کم، اور باپ زیادہ سمجھتا تھا۔

وہ جو ہمیشہ ضبط میں رہتا،

جو اپنے آنسو اندر ہی اندر پی جاتا،

آج ٹوٹ کر رو رہا تھا۔

—اور وہ صرف ایک ہی شخص کے سامنے روتا تھا

شاہمیر۔

اس کا بھائی،

اس کا محافظ،

اس کا سب کچھ۔

شاہمیر نے آہستہ آہستہ اس کی پشت پر ہاتھ پھیرا،

جیسے ایک باپ اپنے بچے کو بہلاتا ہے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"...بس احمد"

مگر آنسو نہیں رکے۔

احمد کے ضبط کے سارے بند ٹوٹ چکے تھے،

وہ ہچکیوں سے کانپ رہا تھا۔

شاہمیر نے اسے کچھ دیر اور رونے دیا،

پھر آہستگی سے خود سے الگ کیا۔

اس کی آستین کا ایک کنارہ بھیگ چکا تھا،

مگر اسے پرواہ نہیں تھی۔

اس نے اپنی ہتھیلی احمد کے چہرے پر رکھی،

اس کے آنسو نرمی سے صاف کیے،

اور ایک بار پھر اس کے گال پر بوسہ دیا۔

"بس احمد، جاؤ... منہ دھو کر آؤ، میں اپنے بچے کو کھانے کے لیے کچھ نکالتا ہوں۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

وہ مسکرا کر بولا،

اور پہلی بار،

گیارہ سال بعد،

اسے حلیمہ کی کمی شدت سے محسوس ہوئی۔

احمد جیسے اس کا مردانہ روپ تھا،

اور اس لمحے وہ یہ جان گیا تھا کہ اللہ نے جو لیا، اس کے بدلے کچھ نہ کچھ دیا بھی تھا۔

احمد اس کے کمرے کی طرف لپکا،

اور شاہمیر کی نظریں اس کے پیچھے ٹھہر گئیں،

جیسے کسی نامکمل یاد کو مکمل کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔

پھر وہ ایک گہری سانس لیتے ہوئے کچن کی طرف بڑھا۔

وہاں، دروازے کے قریب،

مہرو کھڑی تھی۔

وہ جا رہی تھی۔

"جا کہاں رہی ہو؟"

شاہمیر کی آواز پر وہ ٹھٹھک گئی۔

اس کی پلکیں لرزیں، جیسے وہ کسی سوچ میں کھوئی ہو۔

"ہاں...میں واپس جا رہی ہوں۔ ہوسٹل تک لمبا راستہ ہے۔"

آخر میں،

وہ ہلکی سی مسکرا دی۔

مگر اس کی آنکھیں بھی کچھ نمی لیے ہوئے تھیں۔

وہ یہ سب دیکھ چکی تھی۔

وہ خاموشی سے وہاں کھڑی رہی تھی،

دیکھ رہی تھی کہ بھائی اور بھائی کے رشتے میں کیا کچھ تھا۔

محبت،

قربانی،

صبر،

اور وہ آنسو جو صرف اپنوں کے سامنے بہائے جاتے ہیں۔

حمدا اپنے کمرے میں جا چکا تھا۔

کب گیا،

کسی کو معلوم نہیں ہوا۔

وہ ہمیشہ ایسے ہی، خاموشی سے چلا جاتا تھا،

اور کسی کو خبر تک نہ ہوتی۔

مگر کسی کو یہ معلوم نہیں تھا کہ

"ایک دن، وہ واقعی خاموشی سے چلا جائے گا۔"

****

براڈوے اسٹریٹ پر روز کے مقابلے میں آج کچھ کم ہلچل تھی۔ دور کھڑی عمارتیں جیسے صدیوں پرانے رازوں کو اپنے سینے میں دبائے خاموش کھڑی تھیں، اور ان کے بیچ میں پھیلی روشنیوں کی چمک رات کے سیاہ آسمان پر کسی بکھرے خواب کی مانند محسوس ہو رہی تھی۔

کہیں کہیں بارش کی بچی کھچی بوندیں کھڑکیوں کی سلوں سے ٹپک رہی تھیں، جیسے کوئی رات کی تنہائی میں سسک رہا ہو۔

رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ایک گھنٹہ پہلے وہ شاہمیر کے اپارٹمنٹ سے نکلی تھی، مگر قدموں کو کوئی منزل نہ ملی۔وہ یونہی نیویارک کی اجنبی گلیوں میں بھٹک رہی تھی، جیسے دل کی بھول بھلیاں میں کہیں راستہ کھو گیا ہو۔ہلکی سی خنکی فضا میں رچی تھی، بارش تھم چکی تھی مگر اس کی نمی اب بھی ہوا میں تیر رہی تھی۔

اس نے کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے، مفلر کو ناک تک کھینچا اور کسی بے خودی کے عالم میں آگے بڑھتی رہی۔سڑک کے کنارے لگے پیڑوں سے پانی کی بوندیں نیچے گرتیں، جیسے کوئی ادھورے خط کے الفاظ مٹی پر بکھر رہے ہوں۔نیویارک کی یہ رات بھی عجیب تھی— کہیں روشنی تھی، کہیں اندھیرا، کہیں قہقہے، کہیں سناٹے، مگر مہرو نیسا کے لیے سب کچھ بے معنی ہو چکا تھا۔

دفعتاً، جیب میں رکھا موبائل تھرتھرایا، اور وہ یکدم ٹھٹک کر رک گئی۔

ایک لمحے کے لیے دل میں کوئی مبہم سی امید جاگی، جیسے خشک پیڑ پر اچانک کوئی سبز کونپل نکل آئے — شاید پاکستان سے کوئی فون ہو؟ مگر اگلے ہی پل وہی خالی پن لوٹ آیا۔ نہیں، وہاں سے تو کوئی پہلے بھی نہیں آیا تھا، اب تو جیسے اس کے ماضی کا در ہی ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا تھا۔

اس نے فون نکال کر اسکرین پر نظر دوڑائی۔

ہیلو، السلام علیکم!" دوسری طرف سے کسی لڑکی کی مدھم، مگر اجنبی سی آواز ابھری۔"

وعلیکم السلام، جی، لیزی؟" اس نے ہولے سے کہا۔"

تم کب واپس آرہی ہو؟" الزبتھ ہارون کی آواز میں جیسے کوئی اضطراب تھا۔"

مہرونیسا نے رات کے سائے میں بھیگی سڑک پر نظریں دوڑائیں۔ سامنے روشنیوں کی قطار میں کہیں کہیں اندھیرے کے ٹکڑے دکھائی دے رہے تھے — بالکل اس کی زندگی کی طرح، کہیں امید، کہیں مایوسی۔

الزبتھ ہارون، ایک امریکن مسلمان تھی، مگر اس کی رگوں میں پاکستانی خون بہتا تھا۔ اس کا باپ، ہارون حمید، پاکستان سے امریکہ آیا تھا، جہاں اس کی ملاقات جیسمن ہارون سے ہوئی

تھی ـــ وہ جیسمن جو ایک "کنورٹڈ مسلم" تھی، اور جسے ہارون کے خاندان نے کھلے دل سے قبول کر لیا تھا۔

یہ بات مہرونیسا کے لیے کسی ان کہی کہانی کی مانند تھی، ایسی کہانی جس کا انجام ابھی لکھا جانا باقی تھا۔ پاکستان میں تو وہ ایسی مثالیں کم ہی دیکھتی آئی تھی۔ وہاں کنورٹڈ مسلمز کو ہمیشہ ایک اجنبی نظر سے دیکھا جاتا تھا، جیسے وہ اس دین کے اصل وارث نہ ہوں۔

:اسے یاد آیا، ایک بار اس نے اپنی خالہ کو کہتے سنا تھا

جو لوگ اسلام میں نئے آتے ہیں، وہ ہم سے زیادہ شدت سے" اسے اپناتے ہیں۔ جیسے کوئی خزانہ ہاتھوں سے نکل کر کسی اور کی جھولی میں جا گرے، تو وہ اس کی قدر ہم سے زیادہ کرتا ہے۔"

تب وہ اس بات کا مفہوم نہیں سمجھ سکی تھی، مگر اب، الزبتھ کو دیکھ کر، اس کا مفہوم دل کے کسی کونے میں گونجنے لگا تھا۔

پندرہ منٹ تو لگیں گے۔"مہرونیسا نے اردو میں جواب دیا۔"

اچھا! جلدی آؤ، میں کھانا بنا رہی ہوں۔"الزبتھ کی آواز میں خلوص تھا، اور فون بند ہو گیا۔"

یہ ایک عام سا جملہ تھا، مگر الزبتھ کے لہجے میں کہیں ایک گہری وابستگی کی جھلک تھی—اپنی زبان سے، اپنی شناخت سے، اپنے وطن سے۔ اس کے گھر میں اردو کو ہمیشہ خاص اہمیت دی جاتی تھی، اور اسی طرح دین اور پاکستان سے وفاداری بھی سکھائی گئی تھی۔ وہ یہاں پڑھنے آئی تھی، اور وہ خود سے وعدہ کر چکی تھی کہ جیسے ہی تعلیم مکمل ہو گی، وہ اپنے ماں باپ کے پاس پاکستان واپس لوٹ جائے گی۔

یادوں کی بارش اور شاہمیر کی تلخی

مہرو نیسا نے فون بند کر کے واپس جیب میں ڈال دیا، مفلر کو گردن کے گرد اور سختی سے لپیٹ لیا، جیسے ٹھنڈ سے زیادہ اندر کے کسی خوف سے بچنا چاہتی ہو۔

مگر قدم بھاری ہو گئے تھے، دل جیسے کسی نادیدہ بوجھ تلے دب چکا تھا۔

شاہمیر...

اس کے انداز کی تلخی، اس کے چہرے پر بکھری اجنبیت... وہ اس کے نخرے اٹھاتا تھا، اس کی ضدیں برداشت کرتا تھا، مگر آج؟ آج وہ بدلا ہوا تھا۔

مہرونیسا نے آسمان کی طرف دیکھا— کہیں کہیں بادل اب بھی تیر رہے تھے، جیسے کوئی چھپا ہوا غم۔

آج نیویارک کی اس روشن سڑک پر بھی وہ خود کو تنہا محسوس کر رہی تھی، جیسے کہیں دور، پاکستان کے کسی گوشے میں اس کی اصل دنیا تھی، اور یہاں کی چکاچوند روشنیوں میں وہ محض ایک مسافر تھی، جو کسی بے نام مسافت میں بھٹک رہی تھی۔

کہیں کچھ غلط ہوا تھا۔

غلطی کہاں ہوئی؟

غلط کون تھا؟

وہ سوچوں میں گم، بے مقصد چلتی جا رہی تھی۔ راستے میں آتے پتھروں کو اپنے جوتوں سے ٹھوکر مارتی، جیسے اپنے ہی منتشر خیالات کو جھٹک رہی ہو۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالے، سر جھکائے، قدموں کو بے خیالی میں گھسیٹتی ہوئی، جیسے زمین پر بکھری الجھنوں کو روندنا چاہتی ہو۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

دوستی جیسے نازک، باریک رسی کی طرح آہستہ آہستہ ہاتھوں سے پھسلتی جا رہی تھی۔ آج انیس دن بعد اس نے پہلی بار شاہمیر کے بارے میں دل سے سوچا تھا۔ وہ اپنی چھوٹی دنیا میں اس قدر مگن تھی کہ اپنے دائرے سے باہر دیکھنے کا وقت ہی نہ ملا۔ ہاں، شاہمیر اس سے محبت کرتا تھا، اور وہ بھی اس سے محبت کرتی تھی، مگر اس نے سب کچھ پس منظر میں دھکیل دیا تھا۔ مگر دوستی؟ نہیں، وہ تو حال میں برقرار تھی، مضبوط، اٹل، ناقابلِ فراموش، جیسے سمندر کے کنارے ایک چٹان جو ہر آتی جاتی موج کے باوجود اپنی جگہ قائم رہتی ہے۔

لوگ چھوڑ جاتے ہیں، لیکن دوست تو ہمیشہ رہتے ہیں، وہ تو شاہمیر سے پچھلے نو سال سے بندھی ہوئی تھی۔ دوستی ایک عام تعلق نہیں، ایک سائبان تھی، جو ہر مشکل میں اس کے ساتھ کھڑا رہا تھا، جیسے گھنے درخت کی ٹھنڈی چھاؤں جو چلچلاتی دھوپ میں بھی راحت بخشتی ہے۔

چلتے پھرتے اجنبیوں کی آوازیں اس کے کانوں میں پڑ رہی تھیں۔ سامنے سے گزرتی تین لڑکیاں، ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے، بے فکری سے ہنستی جا رہی تھیں۔

"I don't know what I would have done without you both!"

ایک امریکی لڑکی خوشی سے بولی، جیسے اس کی زندگی میں دوستی کا وجود سب سے قیمتی چیز ہو۔

آج زندگی میں پہلی بار اس نے "دوستی" کے حقیقی معنی پر غور کیا تھا۔

دوستی، اجنبی سے ساتھی تک کا سفر

،ساتھ خیر میں رہنے کا فیصلہ،

کبھی نہ چھوڑ کر جانے کا عہد،

کبھی غلط فہمیوں میں بکھر جانے کا خدشہ،

کبھی دور ہو کر اپنے آپ کو پہچاننے کا لمحہ۔

نو سال پہلے شاہمیر نے دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا، اور اس نے بے جھجک اسے تھام لیا تھا۔ اب نو سال بعد وہ ہاتھ آہستہ آہستہ چھوٹ رہا تھا، اس کا لمس مدھم ہو رہا تھا، جیسے پانی میں لکھی ہوئی تحریر جو آہستہ آہستہ مٹ رہی ہو۔ مگر وہ بے خبر تھی کہ مٹانے والی خود وہی تھی۔

"دوست نصیب سے ملتے ہیں، اور اگر مخلص دوست مل جائیں، جو تمہارے سامنے بھی تمہارے ساتھ ہوں اور تمہارے پیچھے بھی، تو زندگی سنور جاتی ہے، مہرو بیٹا۔"

پہلی بار جب اس نے شاہمیر اور حماد کے بارے میں بتایا تھا، تو سید نواز نے اپنی بیٹی کو سمجھایا تھا۔ اسے دوستی کی حقیقت سے روشناس کروایا تھا، جیسے کوئی مالی نازک پودے کی جڑوں کو مضبوط بنانے کی کوشش کرے۔

"اگر مخلص دوست ملیں، تو ان کی قدر کرنا، مہرو۔ نصیب والوں کو ہی مخلص دوست ملتے ہیں۔ اگر کبھی کوئی بات غلط لگے، تو سکون سے سمجھنا، دل میں شکوہ پالنے کے بجائے وضاحت کرنا۔ کیونکہ بعض اوقات یہی چھوٹی چھوٹی غلط فہمیاں دراڑ بن جاتی ہیں، اور پھر وہ دراڑیں دوستی کو کھا جاتی ہیں، جیسے زنگ آہستہ آہستہ کسی چمکتے لوہے کو بے رنگ کر دیتا ہے۔"

اس وقت یہ باتیں اسے مکمل طور پر سمجھ نہیں آئی تھیں، مگر آج ایک بار پھر اس نے خود کو اپنے باپ کے قریب بیٹھے پایا تھا۔ لونگ روم کی نیلگوں روشنی میں، اپنے والد کے کندھے پر

سر رکھے، وہ انہیں شاہمیر اور حماد کے بارے میں بتا چکی تھی۔اور وہ اسے دوستی کے اصل مفہوم کو سمجھا رہے تھے، جیسے اندھیرے میں چراغ جلایا جا رہا ہو۔

"کبھی اگر دیکھو کہ دوست غلط راستے پر جا رہا ہے، تو اسے پیار سے سمجھانا، کبھی اس سے نفرت مت کرنا، کبھی اس سے منہ مت موڑنا۔ کیونکہ ہم دوسرے شخص کے ردِ عمل کو نہیں جانتے، وہ کیسا جواب دے گا، ہم نہیں جان سکتے۔اس لیے دوستی میں صبر کرنا، سمجھنا، اس کی غیر موجودگی میں کبھی اس پر وار نہ کرنا،اور اسے کبھی اکیلا نہ چھوڑنا۔اور سب سے ضروری بات، اگر تمہاری اور تمہارے دوست کی آپس میں کوئی لڑائی ہو جائے،اور تم یہ معاملہ کسی تیسرے شخص سے شیئر کرو، تو اسے کبھی یہ حق نہ دینا کہ وہ تمہارے دوست کے پاس جا کر اسے نیچا دکھائے، اسے شرمندہ کرے۔"

اس وقت وہ محض سر ہلا کر رہ گئی تھی۔

نہ کوئی لڑائی ہوئی تھی

،نہ کوئی غلط فہمی آئی تھی،

بس تیسرا شخص آیا تھا، جسے وہ محبت سمجھ بیٹھی تھی۔

کسی ان دیکھی دوری کی طرح، دوستی اس کے ہاتھوں سے چھوٹتی جا رہی تھی۔

اب دو سوال تھے

اگر مضبوطی سے تھاما تو کیا ہاتھ زخمی ہو گا؟ خون بہے گا؟ یا پھر دوبارہ مضبوطی سے تھامنے سے سب کچھ بحال ہو جائے گا؟

وہ کافی دیر انھی سوالوں میں الجھی چلتی رہی، پھر بالآخر اپنے ڈورم تک پہنچ گئی۔

اندر قدم رکھا، تو وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہی خاموشی، وہی تنہائی، وہی سکوت۔ اس کا خالی سا ڈورم، جہاں وہ اور الزبتھ رہتی تھیں۔ الزبتھ اس سے دو سال بڑی تھی، لمبے بھورے بال، گہری بھوری آنکھیں، ایک دلکش مسکراہٹ جو بہت کم نظر آتی تھی۔ مہرو نے آہستہ سے دروازہ دھکیلا، تو اندر چہرے کے گرد اسکارف لپیٹے، الزبتھ نماز ادا کر رہی تھی۔

خاموشی سے کوٹ اتارا، مفلر ڈھیلا کیا، اور باتھ روم میں جا کر منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ ٹھنڈا پانی چہرے سے ٹکرا کر جیسے اسے حقیقت کی دنیا میں واپس لا رہا تھا۔ واپس آ کر دھیان دیا، تو الزبتھ اب بھی جائے نماز پر سجدے میں جھکی ہوئی تھی، مکمل سکون کے ساتھ۔

وہ اپنے بیڈ پر بیٹھ گئی اور اس کے نماز مکمل کرنے کا انتظار کرنے لگی۔

دس منٹ بعد الزبتھ نے دعا مانگی، جائے نماز تہہ کی اور کھانے کے لیے دسترخوان پر کچھ رکھ دیا۔ دونوں نے خاموشی سے کھانا کھایا، جیسے الفاظ کی ضرورت ہی نہ ہو۔

رات کے دس بجے دونوں اپنے بستروں پر لیٹ چکی تھیں۔ الزبتھ گہری نیند میں جا چکی تھی، جبکہ مہرو، نمازوں کی فکر سے بے پرواہ، موبائل کی روشنی میں آنکھیں جمائے بیٹھی تھی۔

آخری نماز اس نے پاکستان میں ہی ادا کی تھی۔

****

کمرہ نیم تاریکی میں ڈوبا تھا۔ آدھی کھلی کھڑکی سے آتی ہوئی سرد ہوا جیسے دھیرے دھیرے دیواروں سے سرگوشیاں کرتی کمرے کو مزید پُرسکون کر رہی تھی۔ باہر رات اتر چکی تھی، اور اندر خاموشی، گہری سانسوں کی مانند، ہر گوشے میں پھیل گئی تھی۔ بستر بے ترتیب پڑا تھا، تکئے کسی نامعلوم خواب کی تلاش میں ادھر ادھر لڑھکے ہوئے تھے۔ کمبل کے اندر احمد نیم دراز تھا، اس کا ننھا سا وجود آدھا کمبل کی نرم گرم ڈھال میں چھپا ہوا تھا۔

ٹی وی کی مدھم سی روشنی کمرے کی واحد زندگی کا احساس دے رہی تھی۔ آواز بند تھی، مگر تصویر کی حرکتیں خاموشی میں بھی شور پیدا کر رہی تھیں۔ احمد جانتا تھا کہ شاہمیر نے سختی سے منع کیا تھا، مگر پھر بھی —— شاید ضد، شاید تنہائی —— اُسے مجبور کر گئی۔

شاہمیر اس وقت کمرے میں موجود نہ تھا۔ وہ باہر لونگ روم میں نماز کے لیے گیا ہوا تھا، اُس کی آواز کچھ دیر پہلے اذکار کی صورت کمرے تک پہنچی تھی اور پھر خاموشی چھا گئی تھی۔

اچانک دروازے کے کھلنے کی آواز نے کمرے کی گونجتی خاموشی کو چیر دیا۔ احمد کے ہاتھ میں پکڑا ریموٹ جھٹکے سے ہاتھ سے نکل کر زمین پر جا گرا۔ سیل ایک طرف لڑھک گئے، ریموٹ دوسری جانب۔

دروازے سے داخل ہوتے شاہمیر کے لب کچھ پڑھتے ہوئے آہستہ جنبش میں تھے۔ قدم رکے۔ نگاہ نے کمرے کا جائزہ لیا، پھر فوراً چلتے ٹی وی پر جا ٹھہری۔

بستر کے دوسرے کونے میں احمد جیسے خود کو نظروں سے غائب کرنا چاہتا ہو، ایک جھٹکے سے مکمل طور پر کمبل میں چھپ گیا۔

شاہمیر کے ہونٹوں پر لمحے بھر کو ایک مدھم سی مسکراہٹ ابھری، مگر اُس نے اُسے فوراً ہی چھپالیا۔ ضبط کا یہ لمحہ، شاید اس نے خود سے سیکھا تھا۔

وہ آگے بڑھا، خاموشی سے دروازے کو پیچھے سے بند کیا، اور بستر کی جانب قدم بڑھائے۔

ریموٹ زمین پر پڑا تھا، اس کے سیل باہر نکلے ہوئے۔ وہ تھوڑا جھکا، ایک ہاتھ سے ریموٹ اور دوسرے سے سیل اٹھائے، پھر سیدھا ہو کر میز کے ایک کونے پر رکھ دیا۔ پھر وہ وہیں بستر کے کنارے بیٹھ گیا۔

احمد نواب..." اس کی آواز دھیمی تھی، مگر اس کے نیچے چھپی ہوئی سختی واضح تھی۔"

"میں تین تک گنوں گا، اور تم مجھے یہاں سے باہر چاہیئے ہو۔"

کمبل میں چھپا احمد ساکت ہو گیا۔ لمحے بھر بعد، جیسے کسی انجانی قوت نے اُسے حرکت دی ہو، اس نے کمبل ہٹایا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ چہرے پر ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں۔

ج...جی بھائی۔۔۔" اُس کی لرزتی آواز نے کمرے کی فضا کو اور بھی خاموش کر دیا۔"

شاہمیر کے دل میں کوئی کچا سا درد ابھرا۔ ایک لمحے کو دل چاہا، اُس بچے کو بانہوں میں بھر کر اپنے سینے سے لگا لے۔ اُس کی خوفزدہ آنکھیں کسی گہرے دکھ کی تصویر لگ رہی تھیں۔ مگر وہ جانتا تھا — یہ نرمی، یہ پگھلنا، ابھی نہیں۔ ابھی نہیں۔

"میں نے تم سے کیا کہا تھا؟"

اب کی بار اُس کی آواز میں کاٹ تھی، جیسے برف پر کسی دھاردار چیز کی لکیریں کھینچی جا رہی ہوں۔

احمد نے نگاہیں جھکا لیں۔ اُس لمحے، اُس کی نظر میں اگر کوئی بچا سکتا تھا، تو وہ حماد تھا — جو برابر کے کمرے میں گہری نیند سویا ہوا تھا — یا مہرو، جو شاید اس وقت اپنے ہاسٹل کے کسی پرسکون گوشے میں کسی کتاب کی دنیا میں گم تھی۔

"...ٹی...ٹی وی نہیں چلیں گا"

احمد کی آواز اب بھی کپکپا رہی تھی، جیسے برف پر کھڑے کسی معصوم پرندے کی مدھم سی چہچہاہٹ ہو۔

شاہمیر کا سینہ ایک بار پھر نرم پڑنے لگا۔ مگر نہیں — ابھی نہیں۔

وہ جانتا تھا، غلط عادتیں خاموشی سے دلوں میں بس جایا کرتی ہیں، اور پھر وہاں سے نکلتی نہیں۔ وہ عادتیں، جنہیں وقت پر روکا نہ جائے، وہی کبھی انسان کی زندگی کا سب سے بڑا نقصان بن جاتی ہیں۔

"تو... کس سے پوچھ کر چلایا ٹی وی؟"

شاہمیر کا لہجہ وہی تھا، نرمی اور سختی کے سنگم پر ٹکا ہوا۔ نہ آواز بلند ہوئی، نہ انداز بدلا — مگر الفاظ میں ایسی گرفت تھی جیسے انکار کو بھی خاموشی پر مجبور کر دے۔

دل کر رہا تھا..." احمد کی آواز ہولے سے ٹوٹی، جیسے وہ خود بھی الفاظ کے بکھرنے پر شرمندہ" ہو۔

شاہمیر کی برداشت جواب دے گئی۔ وہ اُس ننھے سے وجود کو مزید نہیں ڈرا سکتا تھا۔ دل تھامے وہ لپکا، احمد کو اپنی گود میں اٹھایا اور سینے سے لگا لیا۔

احمد ایک دم سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ وہ سچ میں ڈر گیا تھا۔ اس کے ننھے کندھے تھر تھرا رہے تھے، اور شاہمیر کا دل جیسے ہر ہچکی پر چیر جاتا۔

بس احمد... بس..." شاہمیر کے ہاتھ نرمی سے اس کے سر پر پھیرنے لگے، جیسے محبت سے "دل کا بوجھ ہلکا کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ مگر احمد تھا کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

احمد... جب میں کسی چیز سے منع کروں نا، تو مان جایا کرو بیٹا..." اس کی آواز اب بے حد "نرم، بے حد محبت بھری تھی۔ اس نے احمد کو خود سے اور مضبوطی سے لپیٹا، اور تھوڑی اس کے سر پر رکھ کر اسے جھولنے لگا، جیسے ماں بچے کو گود میں تھپک رہی ہو۔

وقت گزرا، اور دھیرے دھیرے احمد کے آنسو تھم گئے۔ سانسیں اب ہچکیوں کی جگہ سکون کے زیروبم سے ہم آہنگ ہونے لگیں۔

اب شاہمیر بستر پر ٹیک لگائے بیٹھا تھا، اس کے پاؤں کمبل میں چھپے ہوئے تھے۔ احمد ابھی بھی اس کی گود میں تھا، سر شاہمیر کے سینے پر رکھا، آنکھیں نیم وا۔

شاہمیر ایک ہاتھ سے فون تھامے کچھ دیکھ رہا تھا، درمیان درمیان میں احمد سے بات کرتا، کبھی اُسے کچھ دکھاتا۔ اس کا دوسرا ہاتھ مسلسل احمد کے بالوں میں چل رہا تھا، نرمی سے، شفقت سے، جیسے ہر پل اسے یقین دلا رہا ہو کہ وہ تنہا نہیں۔

پھر جیسے شاہمیر کو کچھ یاد آیا۔ اس کا ہاتھ بالوں میں رُک گیا، اور نگاہ کسی دور خیال پر جا ٹھہری۔

احمد، ذرا اُٹھ کر بیٹھو..." اس نے فون رکھ دیا، دونوں ہاتھوں سے احمد کے بازو تھامے، "اُسے نرمی سے سیدھا کیا۔ احمد اب بھی اُس کی گود میں ہی بیٹھا تھا۔ شاہمیر نے ایک ہاتھ اس کی کمر کے گرد حمایتی انداز میں رکھا، دوسرا ہاتھ اس کی ٹھوڑی پر رکھ کر تھوڑا اوپر کیا۔

آج جب مہرو آپی آئیں تھیں، تو تم نے کیوں کہا کہ میں نے تمہیں مارا تھا؟"""

شاہمیر کی آواز میں سختی نہیں تھی، صرف ایک مدھم سا سوال چھپا تھا۔ مگر احمد کا دل ایک بار پھر نامعلوم خوف کے بوجھ تلے آگیا۔ وہ جانتا تھا کہ اب ڈانٹ نہیں پڑے گی، مگر پھر بھی ایک عجیب سا ڈر، دل میں گھر کر گیا۔

ایسے ہی..." احمد نے سرگوشی جیسی آواز میں کہا۔ پھر جھجکتے ہوئے ایک ہاتھ سے زمین پر "پڑی ہوئی چپل کی طرف اشارہ کیا۔

"...آپ نے چپل دیکھی تو تھی نا"

شاہمیر کے لبوں پر مسکراہٹ آتے آتے رک گئی۔اس نے خود پر قابو پایا، مگر آنکھیں ہنسی سے چمکنے لگیں۔احمد اب آہستہ آہستہ نارمل ہو رہا تھا،اور شاہمیر کے دل نے شکرادا کیا۔وہ جانے کتنی بار اللہ سے دعا مانگ چکا تھا کہ احمد ٹھیک ہو جائے، بھروسہ کرنے لگے، محفوظ محسوس کرے۔

اچھا..."اُس نے کہا،اور اس "اچھا" میں جانے کتنے رنگ چھپے تھے—نرمی، تسلی،" حیرانی،اور تربیت۔

کچھ دیر وہ دونوں یونہی بیٹھے رہے۔باہر سردیوں کی رات گہری ہوتی جارہی تھی، کمرے کی فضا خاموش، مگر دلوں کی دھڑکنوں سے گرم۔

احمد، تمہیں پتہ ہے جھوٹ کون بولتا ہے؟"شاہمیر نے آہستگی سے پوچھا۔احمد نے شاہمیر کو" دیکھا، مگر کچھ نہ کہا۔پھر آہستہ سے نفی میں سر ہلایا اور دوبارہ اس کے سینے سے لگ گیا۔

"جھوٹ وہ بولتا ہے جو گندا بچہ ہوتا ہے۔جو دوسروں کو دھوکہ دیتا ہے۔"

شاہمیر کی تھوڑی احمد کے سر پر ٹکی رہی، آواز سرد کمرے میں گونجی، جیسے سچائی کا چراغ جلایا جارہا ہو۔

جب ہم جھوٹ بولتے ہیں نا احمد، تو اللہ میاں ناراض ہوتے ہیں۔ کیونکہ جھوٹ گندی بات" ہوتی ہے۔ اور گندی باتیں کرنے سے ہم خود بھی گندے بن جاتے ہیں۔ تمہیں پتہ ہے، جب کوئی ایک جھوٹ بولتا ہے، تو اُسے اُسی جھوٹ کو زندہ رکھنے کے لیے اور جھوٹ بولنے "پڑتے ہیں۔

وہ رکا۔ احمد خاموشی سے سنتا رہا، جیسے کوئی پرانی کہانی سن رہا ہو۔

پھر ایک دن ایسا آتا ہے جب سب اُس کے جھوٹ پہچان لیتے ہیں۔ اور تب... تب وہ اکیلا رہ" "جاتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں: یہ تو جھوٹا ہے، بدتمیز ہے، گندا بچہ ہے۔

شاہمیر کا لہجہ نرم تھا، مگر الفاظ کا اثر گہرا۔

Clubb of Quality Content

تب تمہیں اچھا لگے گا، احمد؟" اس نے پوچھا۔"

احمد نے کچھ نہیں کہا۔ اس کا ننھا وجود شاہمیر کی بانہوں میں چھپا رہا، مگر اُس کے دل نے اُس لمحے ایک فیصلہ کیا... کہ شاید اگلی بار، وہ سچ بولنے کی کوشش ضرور کرے گا۔

احمد نے آہستہ سے سر اٹھایا، اور شاہمیر کی آنکھوں میں جھانکا۔ ننھی آنکھوں کی نمی کسی سوال کی مانند تھی جو زبان پر نہ آ سکا۔ شاہمیر نے وہ نمی محسوس کی —— وہ بے آواز معافی، وہ شرمندگی جس کا اظہار صرف خامشی کر سکتی ہے۔

احمد نے نفی میں سر ہلایا اور پھر دوبارہ شاہمیر کے سینے میں منہ چھپا لیا۔ مگر اس بار شاہمیر نے نرمی سے اس کے بازو تھامے، اسے خود سے ذرا فاصلے پر کیا۔ اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کا ننھا سا چہرہ تھاما، انگوٹھے کی پوروں سے آنکھوں کے کناروں پر ٹھہری ہوئی نمی کو صاف کیا، اور اس کے گال ہولے سے تھپتھپائے۔

پھر اُسے دوبارہ سینے سے لگا کر اپنے دل کی دھڑکنوں میں چھپا لیا۔ چند لمحے یونہی بیت گئے، جیسے وقت نے تھم کر اُن کی سانسوں کی زبان سنی ہو۔ پھر شاہمیر نے آہستگی سے احمد کو اپنے آپ سے الگ کیا۔

اب میرا پیارا سا بیٹا جھوٹ بولے گا؟" اُس نے دونوں ہاتھ احمد کے رُخساروں پر رکھ کر" نرمی سے پوچھا۔

نہیں بھائی... "احمد کی آواز نمی سے بھیگے وعدے کی طرح نکلی، دھیمی، نسوانی، لیکن دل "سے۔"اب کبھی بھی جھوٹ نہیں بولوں گا۔

شاہمیر کی آنکھوں میں ایک روشن مسکراہٹ ابھری، جیسے دل نے دُعا کی قبولیت کا اشارہ پالیا ہو۔اُس نے احمد کو دوبارہ خود سے لپٹایا،اور کمبل کو تھوڑا اور کھینچ کر احمد کو پوری طرح ڈھانپ دیا۔

کمرے کا ماحول اب مزید سرد محسوس ہو رہا تھا، جیسے باہر کی ٹھنڈ در و دیوار کے پار سے اندر اتر آئی ہو۔

پتا ہے ؟ میں نے تمہارے لیے اسکول ڈھونڈ لیا ہے،"شاہمیر نے احمد کے سر پر ہاتھ " پھیرتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔

مجھے نہیں جانا... "احمد کی آواز نیند میں ڈوبی ہوئی، مدھم سی آئی۔"

کیوں ؟"شاہمیر نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا،اب وہ بغیر احمد کو ہٹائے لیٹنے کی " کوشش کر رہا تھا۔

آپ نہیں ہوں گے..." احمد کی آواز مزید دھیمی ہو چکی تھی، جیسے نیند نے آدھا بدن سن کر" دیا ہو۔

کچھ تھوڑی سی جدوجہد کے بعد شاہمیر لیٹنے میں کامیاب ہو گیا۔ احمد اب بھی اُسی کی گود میں سر رکھے، اُسی طرح لیٹا ہوا تھا، جیسے کسی اور جگہ کا ہو ہی نہ۔

شاہمیر کا ہاتھ اب بھی اسے تھپک رہا تھا۔

میں آجاؤں گا..." اُس نے دھیرے سے کہا، لیکن الفاظ خود اُسے بھی نیند کی آغوش میں" لے جانے لگے تھے۔

میں آپ کے ساتھ چلوں گا..." احمد کی آواز اب صرف سانس کی طرح ہلکی تھی۔"

اچھا... چلو، اب سو جاؤ۔" شاہمیر نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔ اُس نے احمد کو اپنے" سے جدا نہیں کیا۔ وہ جانتا تھا، بچہ اُس کی بانہوں میں ہی سوتا تھا، اُسی محفوظ حصار میں۔

لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ، ایک ہاتھ احمد کی پشت پر رکھے، وہ دونوں نیند کی گود میں سمٹ چکے تھے۔

دن کا اختتام ہو چکا تھا۔ رات، اپنی گہرائیوں کے ساتھ، کمرے میں پھیل چکی تھی۔

****

وقت کی رفتار... بھلا کون جانتا ہے؟ کب، کیسے گزر جائے، کبھی معلوم نہیں ہوتا۔ دسمبر کی پہلی تاریخ کب آکر ختم ہوئی، کسی کو خبر نہ ہوئی۔ وقت نے اپنا رخ بدلا ضرور تھا، لیکن موسم... ابھی بھی وہی یخ بستہ، چپ چاپ سرد موسم، جس میں سانس بھی دھندلا کر باہر آتی تھی۔

آج، ایک مہینے بعد، وہ سب پھر سے اکٹھے ہوئے تھے۔ احمد، شاہمیر، حماد اور مہرو —— وہ

چاروں، جو نئے ملک

میں اپنی ایک چھوٹی سی دنیا بسا رہے تھے۔

آج کا منصوبہ مہرو نے بنایا تھا۔ حیرت کی بات نہیں تھی —— شاہمیر حسبِ عادت خوش تھا۔ اس کی آنکھوں میں وہی چمک تھی جو ہمیشہ مہرو کے منصوبوں سے جُڑی ہوتی۔ پہلا موقع تھا جب وہ چاروں یہاں آنے کے بعد ایک ساتھ کہیں جا رہے تھے۔

سردیوں کے ٹھٹھرتے موسم میں، تیز چلتی ہوا کے بیچ، وہ تینوں گرم جیکٹس پہنے، ہاتھ جیبوں میں دبائے، سڑک پر آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ ان کے سروں پر اونی ٹوپیاں تھیں جو اُن کے معصوم چہروں کو اور بھی بھلا بنا رہی تھیں۔

"کہاں جانا ہے؟" مہرو نے کپکپاتی آواز میں کہا۔ ہوا کے تیز جھونکوں نے اس کی آواز کو اور بھی نرم کر دیا تھا۔ یہ جگہ اُس کے لیے نئی تھی۔ شاہمیر، حماد اور احمد پہلے سے اس موسم اور ان راہوں کے عادی تھے، مگر مہرو کے لیے ہر درخت، ہر پگڈنڈی ایک انجان تعارف تھا۔

"پہاڑی سائیڈ پر چلتے ہیں..." شاہمیر کی آواز بھی کپکپائی، مگر لہجہ بدستور پر سکون رہا۔ وہ آہستہ آہستہ قدم بڑھا رہا تھا۔ ایک ہاتھ کوٹ کی جیب میں تھا اور دوسرا — اونّی دستانے پہنے ہاتھ سے احمد کا ننھا ہاتھ تھامے ہوئے تھا۔

احمد کا چہرہ خوشگوار مسکراہٹ سے چمک رہا تھا۔

"ہاں، تجھے نیچے پھینکنے!" حماد نے زور سے کہا، آواز میں شرارت کی رمق تھی، سرد ہوا سے لپٹی ہوئی۔

مہرو اور حماد دونوں ہنسے——وہ مخصوص ہنسی جو دوستوں کی بے تکلفی سے جنم لیتی ہے۔

شاہمیر نے برا سا منہ بنایا، دونوں کو گھور کر دیکھا، لیکن اُس کی آنکھوں میں کوئی غصہ نہ تھا۔

تب ہی احمد کی کھلکھلاتی ہنسی شاہمیر کے کانوں میں گونجی۔ وہ ہنسی جیسے کسی گھنٹی نے برف کے میدان میں بجنا شروع کر دیا ہو۔

نہیں نہیں، وہاں سے تو یہ نیچے ڈبکی مارے گا!" مہرو نے ہنستے ہوئے حماد کی بات میں اضافہ " کیا۔

!شاہمیر کا دل چاہا کہ ان دونوں کو دھکا دے کر واقعی پہاڑ سے نیچے دریا میں پھینک دے

سرد ہوا، ہنسی کی گونج، چلتے قدم، اور دلوں کے قریب رشتے——ان لمحوں میں وقت جیسے تھم گیا تھا۔ نیلے آسمان تلے، برف کی خوشبو لیے ہوائیں، یہ وہ پل تھے جنہیں زندگی کئی برس بعد بھی یاد کرے گی۔

شاہمیر نے احمد کا ہاتھ تھام رکھا تھا، مگر چہرے پر وہی برا سا منہ لیے وہ ان تینوں سے آگے نکل گیا۔ پیچھے رہ جانے والے ہنستے جا رہے تھے۔ حماد اور مہرو، دونوں کا قہقہہ سرد ہوا میں تحلیل ہو کر اور بھی گونجدار ہو گیا۔

مگر جیسے ہی انہوں نے اُسے جاتے دیکھا،اُن کی ہنسی تھم گئی۔دونوں جلدی سے بھاگ کر اُس کی طرف لپکے۔

شاہمیر!"حماد نے آواز دی،ساتھ ہی مہر وُاس کے قریب آئی اور حماد کے کان میں سر گوشی" "کی،"اگر یہ چلا گیا تو پہاڑ سے پھینکیں گے کسے؟

حماد نے بمشکل اپنی ہنسی ضبط کی۔

شاہمیر کا رویہ کسی ضدی بچے سے کم نہ تھا۔"نہیں جارہا،میں واپس گھر جارہا ہوں!"اُس نے منہ پھلا کر کہا۔

"اُس کی بات سنتے ہی احمد کی ہلکی،تھرتھراتی آواز ابھری،"آپ اکیلے چلے جائیں،بھائی شاہمیر ٹھٹھک گیا۔

وہ ننھا سا پودا،جو ابھی تھوڑی دیر پہلے اُس کا ہاتھ تھامے چل رہا تھا،اب اس کے ساتھ نہ جانے کی بات کر رہا تھا؟اس لمحے کا زہر اُس کے دل میں تیر بن کر چبھ گیا۔

وہ وہیں رک گیا۔تب ہی حماد نے پیچھے سے آکر اُس کی گردن کے گرد بازو ڈال دیے۔

برا نہیں مان، بھائی!" حماد نے ہنستے ہوئے کہا، مگر شاہمیر کے چہرے پر چھائی ناراضی اب" بھی باقی تھی۔

سرد موسم میں وہ تینوں ایک ساتھ تھے، جیسے ٹھنڈی ہوا میں جلتے ہوئے تین چراغ—ایک دوسرے کی حرارت کو سنبھالے ہوئے۔

احمد نے اب شاہمیر کا ہاتھ چھوڑ کر مہرو کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

شام ہو رہی ہے، ایک چکر لگا آتے ہیں پہاڑوں کا..."اس بار مہرو نے نرمی سے تائید کی۔"

ہاں، اور رات بھی وہیں گزاریں گے!" حماد نے حسبِ عادت طنز کیا، جیسے وہاں صرف" مذاق کرنے آیا ہو۔

راستہ لمبا ہے، کل چلیں گے۔ فجر میں نکلیں گے، پھر جلدی آنے کی کوشش کریں گے۔ دو" "گھنٹے کا راستہ ہے، آرام سے انجوائے کر کے آئیں گے۔

شاہمیر کی آواز سنجیدہ تھی، لہجہ متوازن۔

مہرو اور حماد دونوں نے حیرت سے اُسے دیکھا۔

Clubb of Quality Content

تو تو ریسر چر کب سے بن گیا؟ کتابیں تو کھولتا نہیں تھا!" حماد نے شاہمیر کی طرف تھوڑا جھک کر سر گوشی کی۔

شاہمیر نے اسے ہلکا سا دھکا دیا۔

"... کیا ہے نا کہ میں غیر لوگوں کے سامنے کتابی کیڑا نہیں بنتا۔ کیا پتہ وہ کیسے دیکھیں"

وہ تینوں پر نگاہ ڈالتا ہوا قریب موجود ایک کافی شاپ کی طرف مڑ گیا۔

حماد، مہرو اور احمد اُس کے پیچھے پیچھے چلتے چلے آئے۔ کافی کا آرڈر دینے کے بعد وہ تینوں باہر، ایک کونے کی میز پر آ بیٹھے۔

ٹھنڈی ہوا کی سانس سانس، ارد گرد لوگوں کی باتیں، اور موسم کی خاموشی——سب کچھ ایک لمحے کو رُک گیا جب مہرو کی نظر اچانک سامنے جا ٹھہری۔

جس کی تلاش میں وہ تھی... وہ، سامنے کھڑا تھا۔

مگر وہ اُس کے پاس جا کر ایک سیلفی بھی نہیں لے سکتی تھی۔ وہ اکیلا نہیں تھا، اور... وہ جانتی تھی، اگر شاہمیر نے اُسے اس چہرے کی طرف دیکھتے دیکھ لیا،

تو... وہ صرف سرد مہری نہیں دکھائے گا،

وہ اس کا دماغ پڑھ لے گا۔

اور شاہمیر... اگر کچھ پڑھ لے، تو خوش نہیں رہتا۔

کچھ دیر وہیں بیٹھے رہے۔ کافی کے گھونٹ، آہستہ آہستہ جسم میں اُترتے ہوئے، جیسے سردی کو دھکیل کر اندر کوئی حرارت بھر رہے ہوں۔ چہروں پر خاموشی تھی مگر آنکھوں میں زندگی۔

پھر اچانک، وہ سب خریداری کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔

ٹائم اسکوائر——دنیا کا وہ مشہور مقام جہاں زندگی کبھی تھمتی نہیں، آج کچھ اور ہی رنگوں میں رنگا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے پورا نیویارک اپنے گھروں سے نکل کر سڑکوں پر اُمڈ آیا ہو۔ رنگین روشنیوں، جگمگاتے بل بورڈز اور خوشی سے چمکتے چہروں کی بھیڑ میں مہرو، حماد، شاہمیر اور احمد ایک خواب کی طرح چل رہے تھے۔

ٹائم ٹاور پر گیارہ بج کر پچاس منٹ ہو چکے تھے۔

اب صرف دس منٹ باقی تھے۔

دس منٹ بعد، ایک سال ختم ہونے والا تھا۔ ایک نیا سفر، نئی جگہ، اور شاید... نئی زندگی شروع ہونے کو تھی۔

رش سے نکلنے میں مہرو اور شاہمیر کو خاصی مشقت لگی۔ جب وہ آخر کار ہجوم سے نکلے، تو گھڑی گیارہ بج کر اٹھاون منٹ کا وقت دکھا رہی تھی۔

مہرو نے ایک نظر اپنے ارد گرد ڈالی—ایک لمحہ جو اُس نے برسوں سے صرف خوابوں میں جیا تھا۔ آج، وہ خواب تعبیر بن کر اُس کے سامنے تھا۔

روشنیوں، موسیقی، خوشبوؤں اور قہقہوں میں لپٹا وہ لمحہ، اُس کے دل کے نہاں خانوں میں اُترتا چلا گیا۔

Clubb of Quality Content

اور پھر، اچانک ہر طرف شور گونج اُٹھا۔

"TEN... NINE..."

فضا میں گنتی کی آوازیں بلند ہوئیں۔

مہرو کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"EIGHT... SEVEN... SIX..."

دل کی دھڑکن کچھ تیز ہوئی۔

"FIVE... FOUR..."

چہرے خوشی سے روشن، آنکھیں چمکدار، اور ہوا میں جذبوں کی بوچھاڑ۔

"THREE... TWO..."

شاہمیر نے ایک نظر مہرو کو دیکھا، مگر اُس کی نگاہیں آسمان کی روشنیوں میں گم تھیں۔

"ONE..."

مہرو کے لب آہستگی سے ہلے،

"Happy New Year..."

اُس کی آواز سب کی آوازوں میں تحلیل ہو گئی، جیسے وہ لمحہ بھی کسی خاموش دعا کی طرح فضا میں گھل گیا ہو۔

آسمان رنگوں سے بھر گیا تھا، فائر ورکس کی چمک، دلوں کی دھڑکن سے ہم آہنگ ہو چکی تھی۔

اور یہی تھی ایک نئی شروعات۔

...نیا سال، نئی جگہ، نئے لوگ

اور شاید...دل کے کسی کونے میں نئی کہانی کا آغاز۔

****

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

مزید بہترین ناول/افسانے/آرٹیکل/ مختصر کہانیاں اور معیاری شاعری پڑھنے کے لئے نیچے دیئے گئے لنک پر کلک کریں۔

شکریہ!

www.novelsclubb.com

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک، انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842